کینبرا یونیورسٹی آسٹریلیا میں
حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا معرکۃ الآراء خطاب

”اسلام کی امتیازی خصوصیات“

فرمودہ: 05/اکتوبر 1983ء

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

غَیْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ۔

اسلام کا سب سے دلکش امتیازی حسن

اسلام کی امتیازی خصوصیات کا ذکر چلے تو سب سے پہلے اور سب سے دلکش اسلام کا جو امتیازی حسن آنکھوں کے سامنے ابھرتا ہے وہ اس کی یہ ادائے دلبری ہے کہ سچائی کا اس طرح اجارہ دار نہیں بنتا کہ گویا اسلام کے سوا کبھی دنیا میں کوئی سچا مذہب نہیں آیا اور عرب قوم کے سوا کبھی اللہ تعالیٰ نے کسی اور قوم کو اپنے پیار سے نہیں نوازا۔ بلکہ اسلام وہ منفرد مذہب ہے جو سچائی پر کسی مذہب یا قوم یا رنگ اور نسل کی اجارہ داری کو یک قلم موقوف فرماتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری ہونے والی ہدایت کا سلسلہ ایک رحمتِ عام ہے جو ہر زمانہ میں اس مخلوق پر فیض رساں رہا اور ہر قوم اور ہر نسل کے انسان کو اس نے اپنے نور ہدایت سے نوازا اور کوئی خطۂ زمین یا قوم نہیں جہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر نہ آئے ہوں۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ(الرعد:8)

اس کے برعکس ہم تعجب سے یہ دیکھتے ہیں کہ کسی دوسرے مذاہب کی الہامی کتاب میں کسی دوسری قوم یا سرزمین میں ظاہر ہونے والے مذہب کی صداقت کا اعلان نہیں بلکہ اس کے برعکس اس قدر زور ایک محدود دائرہ میں ظاہر ہونے والے مذہب کی سچائی پر دیا جاتا ہے اور ایسی بے اعتنائی دیگر قوموں اور انسانوں سے برتی جاتی ہے کہ گویا خدا بس ایک ہی قوم اور ایک ہی نسل اور ایک ہی مذہب کا ورثہ پانے والوں کا خدا تھا اور دیگر کل عالم میں بسنے والے انسانوں سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔مثلاً بائیبل صرف بنی اسرائیل کے خدا کو پیش کرتی ہے اس میں بار بار ایسا ذکر ملتا ہے کہ:۔

''خداوند اسرائیل کا خدا ابدالآباد مبارک ہو''

(تواریخ 16\36 نیز دیکھیں سموئیل 25\32،سلاطین 1\48،تواریخ 6\4،زبور 72\18)

لیکن اشارۃً بھی کسی اور قوم یا خطہ زمین پر پیدا ہونے والے مذہبی مصلحین کی سچائی کی تصدیق نہیں ملتی۔پس یہود کا یہ عقیدہ کہ بنی اسرائیل کے سب نبی صرف اسرائل کے گھرانے کے لئے آئے تھے بائیبل کے تعلیم اور منشاء کے عین مطابق ہے۔

حضرت مسیحؑ نے بھی اپنے آپ کو صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث قرار دیا اور کہا:۔

''میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''(متی 15\21-25)

اور اپنے حواریوں کو یہ تعلیم دی کہ:۔

''وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سؤروں کے آگے مت پھینکو''(متی 7\6)

اسی طرح ہندو مذہب میں بھی وید کو محض اونچی ذاتوں سے مخصوص کیا گیا ہے

جیسا کہ لکھا ہے:۔

’’اگر کوئی شودر وید سن لے تو راجہ سیسے اور لاکھ سے اس کے کان بھرے وید منتروں کا اچارن (تلاوت) کرنے پر اس کی زبان کٹوا دے اور اگر وید کو پڑھ لے تو اس کا جسم ہی کاٹ دے۔‘‘ (گوتم سمرتی ادھیائے 12)

اس منفی تعلیم کو نظر انداز بھی کر دیا جائے اور اس کی خواہ کوئی بھی توجیہ پیش کی جائے یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں کسی ایک بھی دوسری قوم یا علاقے کے مذہب کی سچائی کا کوئی اعلان اشارۃً بھی نظر نہیں آتا۔ یہی حال دیگر کتب مقدسہ کا ہے اور نہ تو کنفیوشزم میں کسی غیر قوم یا ملک میں ظاہر ہونے والے مذہبی رہنما کی سچائی کی تصدیق ملتی ہے نہ بدھ ازم میں نہ زرتشتی مذہب میں۔ گویا ہر ایک کو اپنے کام سے کام ہے اور ہر ایک کا خدا بس اسی ایک قوم کا خدا ہے جس کا دیگر مخلوقات سے کوئی تعلق نہیں۔

یہاں سے بنیادی سوال اٹھتا ہے کہ اگر یہ سب مذاہب سچے تھے تو خدا کے تصور کو اس حد تک محدود کر کے پیش کرنے میں کیا حکمت تھی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہ ہوگا کہ ان کی کتب مقدسہ محدود علم کی پیداوار ہیں اور دیگر بنی نوع انسان سے ان کی بے تعلقی لاعلمی پر دلالت کرتی ہے۔

پس وہ خدا کیسا خدا ہے جو صرف ایک ہی قوم کو ہدایت کے لئے چن لے اور اپنے دیگر تمام بندوں سے بے رخی اور بے اعتنائی کا سلوک کرے؟

جب ہم اس پہلو سے قرآن کریم پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ اس الجھن کا یہ حل پیش کرتا ہے کہ نزول قرآن سے قبل اور بعثتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اگرچہ ہر قوم کی طرف اور ہر خطہ زمین کی طرف خدا تعالیٰ کے رسول آئے لیکن ان سب کی حیثیت قومی اور مقامی تھی اور انسانی تمدن ابھی اس حد تک ارتقاء پذیر نہیں ہوا تھا کہ کوئی عالمی نبی عالمی پیغام لے کر ان کی طرف بھیجا جاتا۔ پس قرآن قومی اور مقامی انبیاء کے وجود کا تو ذکر کرتا

ہے۔ بعثت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی ایسے نبی کا ذکر نہیں کرتا جو عالمی پیغام لایا ہو۔

عالمگیر مذہب کی حیثیت سے اسلام کی ایک اور امتیازی شان

اس نکتہ کو سمجھ کر جہاں ایک ذہنی الجھن سے نجات ملتی ہے وہاں اسلام کی ایک اور امتیازی حیثیت کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے یعنی یہ ایک ہی مذہب سے جو کل عالم کے انسانوں کو مخاطب کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انسان اپنے ارتقاء کی اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جہاں اسے قومی اور علاقائی مذاہب کی حدود سے نکال کر اسلام کی صورت میں ایک عالمی مذہب عطا کیا جاتا ہے۔

اسلام کی کتاب کا پہلا ورق ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن یعنی تمام جہانوں کی ربوبیت کرنے والے خدا کی حمد پر مشتمل ہے اور اس کے آخری صفحہ پر رَبّ النَّاس یعنی تمام انسانیت کے رب سے دعائیں کرنے کی تلقین کی گئی ہے گویا اس کتاب کا اول و آخر تمام جہانوں کے خدا کا تصور پیش کرتا ہے نہ کہ محض عربوں یا مسلمانوں کے خدا کا۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی شخص نہ تھا جس نے ساری دنیا کو دعوت کی ہو اور قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہ تھی جس نے ساری دنیا کو مخاطب کیا ہو۔ دنیا میں پہلی مرتبہ یہ اعلان رسول اسلام کے حق میں کیا گیا:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا:29)

اور فرمایا:۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:159)

اور قرآن کو اِنْ ھُوَاِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (التکویر:28) کہہ کر تمام عالمین کے لئے ایسی نصیحت قرار دیا جس سے انسانیت کا شرف وابستہ ہے۔

دوسرے مذاہب میں عالمگیریت کا دعویٰ ان کی الہامی کتب سے نہیں

ملتا اور اگر بعد میں سینٹ پال وغیرہ نے عیسائیت کی تبلیغ کو عام کر بھی دیا تو یہ اس مذہب کا حصہ نہیں کہلا سکتی کیونکہ یہ مسیح کی ہدایت کے خلاف ہے پھر طرفہ یہ کہ اس نام نہاد دعویٰ عالمگیریت کا کوئی ثبوت بھی اس مذہب کے پاس نہیں ہے۔

اس کے مقابل پر اسلام عالمگیر ہونے کا دعویٰ کر کے اس کا ثبوت بھی پیش کرتا ہے اور ثبوت بھی ایسا ناقابل تردید جو ایک طرف دوسرے مذاہب کے عالمگیر ہونے کے دعویداروں کو جھوٹا ثابت کر رہا ہے تو دوسری طرف اسلام کی زبردست اور امتیازی شان ظاہر کرتا ہے۔

وہ یہ کہ توریت اور انجیل میں کہیں نہیں آیا کہ غیر قوموں میں بھی نبی آئے ہیں اور بنی اسرائیل کے سوا اور لوگوں کو بھی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ الغرض خالق عالم کے اپنی باقی مخلوق کے ساتھ رشتہ اور تعلق کا کوئی ذکر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتا۔ پس وہ مذہب کیسے عالمگیر ہوسکتا ہے جو کسی اور خطہ کیا نسانوں سے خدا تعالیٰ کی ہم کلامی تسلیم ہی نہیں کرتا اور مذہب کی عالمگیر حیثیت سے ہی انکاری ہے۔

ایک اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہر زمانہ میں ہر قوم سے خدا تعالیٰ کا تعلق رہا ہے فرماتا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ(فاطر:25)وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ(الرعد:8) کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس میں نبی نہ آئے ہوں بلکہ ہر قوم اور زمانہ میں کوئی نہ کوئی ہادی ضرور آیا ہے۔

اس عظیم الشان اعلان سے عالمی کیریکٹر ظاہر ہو گیا س اسلام ہی ہے جو انسان اور مذہب کی عالمی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے اور یہ امر جہاں اسلام کے عالمگیر ہونے کا ثبوت ہے وہاں اسلام کی عظیم برتری دوسرے مذاہب کے قابل پر ظاہر کرتا ہے۔

اسلام کی عالمگیر حیثیت کی ایک اور بین دلیل

پھر اس مضمون کا دوسرا رُخ اسلام کی ایک اور امتیازی خوبی ظاہر کر کے اس کا عالمگیر ہونا ثابت کرتا ہے۔ فی الحقیقت عالمگیر مذہب کا دعویٰ کرنے کے لئے صرف یہ کافی نہیں کہ دوسرے مذاہب میں کسی ہادی یا رہنما کا آنا مان لیا جائے بلکہ جب تک دوسرے مذاہب کے بانیوں کو تسلیم نہ کیا جائے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ خوبی بھی کسی دوسرے مذہب میں نظر نہیں آتی۔ اسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ دوسرے تمام مذاہب کے بانیوں اور پیشواؤں کو (جو اپنے وقت میں سچے تھے) مانتا اور قبول کرتا ہے۔

قرآن شریف کو بار بار دوسری کتابوں کا ''مصدّق'' کہا گیا ہے اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس طرح اپنے نبی کا ماننا ان پر فرض ہے دوسری قوموں کے نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا بھی فرض ہے اور ایمان کے لحاظ سے کسی رسول میں کوئی تفریق جائز نہیں کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ فرماتا ہے:۔

''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۔لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ''۔(البقرۃ:286)

اس لئے ہر مسلمان انبیاء کی معروف تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا کم وبیش) پر صدق دل سے ایمان لاتا ہے۔

پس بلاتمیز رنگ و نسل اور بلا لحاظ زمانہ و قوم تمام امتوں کے رسولوں کو سچا تسلیم کرنے اور ان کی تکریم کا اصول ہی قوموں میں صلح کی صحیح بنیاد اور مذاہب میں اتحاد کی منفرد راہ ہے اور یہ جہاں عالمگیریت کے دعویٰ کا ایک بڑا تقاضا ہے وہاں اسلام کی عالمگیریت کی بیّن دلیل ہے۔

یہاں اس سوال کا جواب خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ عالمگیریت میں اپنی ذات میں کیا خوبی ہے اور اسلام اس پر کیوں زور دیتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ جب سے اسلام وحدت

اقوام کا پیغام لے کر آیا ہے۔اتحاد اقوام کی طرف دنیا کا سفر تیز سے تیز تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں مختلف ممالک کی فیڈریشنز، لیگ آف نیشنز، یو این او کا قیام اور مذہبی دنیا میں ورلڈ کانفرنس آف ریلیجنز اس کی چند مثالیں ہیں۔ جو انسان وحدت اقوام کے اس طویل سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس وہ چیز جس کی ضرورت آج کا ترقی یافتہ انسان محسوس کرتا ہے قرآن شریف نے آج سے چودہ سو سال قبل بطور بیج کے اپنی تعلیم میں شامل کر دی تھی اور آج تو ذرائع رسل و رسائل اور نظام مواصلات کے ذریعہ وحدت اقوام کی طرف قوموں کا سفر زیادہ برق رفتاری سے جاری ہے۔ لیکن اس جگہ مَیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں اور وقت اس حقیقت کو ثابت کریگا کہ اس سفر کی آخری منزل اسلام ہے جو ابتداء سے بھی عالمگیر ہونے کا مدعی ہے۔

مذاہب میں اختلاف اور تضاد کی حقیقت

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ ’’اگر سب مذاہب کے بانی خدا کی طرف سے تھے تو پھر مختلف مذاہب کی تعلیم میں اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ کیا ایک خدا مختلف تعلیمیں دے سکتا ہے‘‘؟

اس سوال کا جواب سوائے اسلام کے اور کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کرتا اور یہ امتیاز بھی اسلام کی شریعت کو حاصل ہے۔ اسلام اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ بنیادی طور پر اختلاف مذاہب کی دو وجوہ ہیں۔

اوّل یہ کہ مختلف حالات میں مختلف تعلیم کی ضرورت تھی۔ اس لئے اس حکیم و خبیر ہستی نے اس انسانی ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے مختلف زمانوں اور قوموں اور ملکوں کو ضروریات کے مطابق ان کو تعلیم دی۔

مذاہب میں اختلاف کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ مُرورِ زمانہ سے سابقہ مذاہب کی تعلیم محفوظ نہ رہی۔ لوگ حالات اور ضروریات کے مطابق ان میں خود تبدیلی کرتے رہے

اور وہ الہامی کتب اس شکل میں نہ رہیں جس میں وہ نازل ہوئی تھیں تب نئی تعلیم کی ضرورت پیش آئی۔

ایک اور محرک سابقہ تعلیموں کے محفوظ نہ رہنے کا یہ بھی ہوا کہ جوں جوں زمانۂ نبوت سے دوری ہوتی گئی شریعت کی سختی کے ردعمل کے طور پر مذاہب کے آزادی کے تصور اور خواہشات نفسانی کی غلامی نے مذہبی تعلیمات پر تحریف کے ایسے نشتر چلائے جو بعد میں آنے والے سچے مذاہب کے لئے اختلافات کا ناسور بن گئے۔ گردش زمانہ سے پھر ایک حصہ ان تعلیمات کا نسیان کی نذر بھی ہو گیا اور اس طرح وہ کتب محفوظ نہ رہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ۔ (المائدة :14)

چنانچہ بائبل کے جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشنز کے مطالعہ کے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کئی آیات جو پہلے ایڈیشنز میں متن میں تھیں ان کو اب حاشیے میں اور جو پہلے حاشیہ میں تھیں ان کو اب متن میں شامل کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ تو ایک بالکل معمولی اور ادنیٰ مثال ہے۔ بائبل میں یا دیگر کتب مقدسہ میں تحریف کا مضمون ایک بہت ہی وسیع مضمون ہے جس پر تحقیق کرنے والے صدیوں سے کام کرتے چلے آرہے ہیں اور ایک بات بہرحال قطع طور پر ثابت ہے کہ بعض ایسی بنیادی تبدیلیوں اور تضادات کا پتہ چلتا ہے جن سے صرف نظر ممکن نہیں۔ اسے ہم ''بددیانتی'' کا نام نہ بھی دیں تو کم از کم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ انسان ان کتب میں تبدیلیاں کرنے پر مجبور رہا ہے۔

اسلام یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام مذاہب اپنی موجودہ شکل میں تمام تر سچے ہیں بلکہ آغاز سے لے کر انجام تک مسلسل تبدیلی اور انحطاط اور تعمیر نو یا انہدام کے عمل پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالتا ہے۔ پس اسلام صرف اس حد تک دیگر مذاہب کی سچائی کا مصدق ہے کہ وہ آغاز میں سچے تھے لیکن رفتہ رفتہ تحریف و تبدل کے عمل نے ان کے چہرے بدل

دیئے۔ یہ تحریف وتبدل کا عمل کتب مقدسہ کے متن میں بھی ہوتا رہا اور نظریات وعقائد میں بھی اور اس کا رخ ہمیشہ وحدت سے کثرت اور توحید سے شرک کی طرف رہا۔

اگر ہم قرآن کے پیش کردہ اس اصول کی روشنی میں مذاہب میں اختلاف کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جتنا کسی مذہب کے منبع کے قریب جائیں گے اختلافات کم ہوتے چلے جائیں گے مثلاً عیسائیت اور اسلام کے مابین تقابلی جائزہ کو مسیح کی زندگی اور اناجیل اربعہ کے مطالعہ تک محدود رکھیں تو انجیل اور قرآن کے مابین اصولی تعلیم کے لحاظ سے کم اختلاف نظر آئیں گے لیکن زمانے میں جتنا آگے بڑھیں گے ان اختلافات کی خلیج انسانی ہاتھوں کی کرشمہ سازی سے وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جائیگی۔ یہاں تک کہ اس کا پانا کسی انسان کے بس کا روگ نہیں رہے گا۔

دیگر مذاہب کے تاریخی مطالعہ سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم کے پیش کردہ نظریہ کی تائید میں بھی قوی قرائن ملتے ہیں کہ تبدیلی کا رخ ہمیشہ توحید سے شرک اور حقیقت سے افسانہ کی طرف رہا ہے۔

قرآن شریف اس اصول کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 37)

کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے جنہوں نے ایک خدا کی عبادت کرنے اور شیطانی امور سے بچنے کی تعلیم دی۔

پھر فرماتا ہے:

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الْیَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ۔ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (النحل: 64 تا 65)

ہمیں اپنی ذات کی قسم کہ ہم نے تمام امتوں کی طرف اپنے پیغامبر بھیجے، انہوں

نے ان کو ہمارے احکام سے آگاہ کیا۔ پھر شیطان نے ان کے (بد) اعمال خوبصورت کر کے دکھائے۔ سو آج وہی ان کا آقا بنا ہوا ہے اور وہ اس کے پیچھے جا رہے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔ اور ہم نے تجھ پر اس کتاب کو اس لئے اتارا ہے کہ جس بات سے متعلق انہوں نے باہم اختلاف کر لیا ہے اس کی اصل حقیقت کو وہ کتاب ان پر روشن کرے اور نیز جو ان پر ایمان لائیں ان کے لئے یہ کتاب ہدایت اور رحمت کا موجب ہو۔

آغاز مذاہب سے متعلق قرآن کریم کے اس نظریہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر مذہب اپنے آغاز میں سچا ہوتا ہے بلکہ قرآن کریم ہر سچے مذہب کے بگڑ جانے کے باوجود اس کی سچائی کی یہ قطعی پہچان ہمیں بتاتا ہے کہ جو مذہب بھی سچا اور خدا کی طرف سے ہے اس کی صداقت کو پہچاننے کا قطعی اور یقینی ذریعہ یہ ہے کہ اس کے ماخذ کی پڑتال کرو اگر اس کے ماخذ میں توحید کی تعلیم نظر آئے اور خالصۃً للہ عبادت اور بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی کی ہدایت ملے تو ایسے مذاہب میں پیدا ہونے والی بعد کی تبدیلیوں کے باوجود تمہیں اس حد تک اس کی صداقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ان کے بانی سچے اور پاکباز لوگ تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے برحق رسول تھے اور بلاتفریق ان کی صداقت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اسلام کا ایک اور امتیاز اس کی تعلیم کا دائمی ہونا ہے

اسلام کو دوسرے مذاہب پر ایک اور یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ صرف عالمی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ ابدی اور دائمی ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور اس دعویٰ کے پیدا ہونے والے تقاضے بھی پورے کرتا ہے۔ مثلاً کسی پیغام کے دائمی ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر پہلو سے کامل بھی ہو اور محفوظ بھی ہو۔ یعنی اس کی کتاب مقدس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ضمانت بھی دی گئی ہو کہ وہ ہمیشہ انسانی دستبرد سے محفوظ رکھی جائے گی۔

چنانچہ قرآن کریم کی پیش کردہ تعلیم کے بارہ میں خود قرآن ہی میں یہ دعویٰ بھی موجود ہے کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدة: 4)

یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین ہر رنگ میں کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر کے اس بات پر راضی ہو گیا ہوں کہ اب اسلام ہی تمہارا دین رہے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کسی تعلیم کے دائمی ہونے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ وہ کامل ہو بلکہ اس کی دائمی حفاظت کی ضمانت بھی ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس اہم عقلی تقاضے کو بھی پورا کرتا ہے اور قرآن کو نازل کرنے والا خدا غیر مبہم الفاظ میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:10)

کہ ہم نے ہی اس کتاب کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ رہیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کریگا اور اسے بگڑنے نہ دیگا۔ چنانچہ قرآن کریم کی لفظی حفاظت کا اللہ نے یہ انتظام فرمایا کہ لاکھوں حفاظ ہر زمانہ میں موجود رہے اور آج بھی موجود ہیں اور معنوی حفاظت کا یہ انتظام کیا کہ ہر صدی پر مجدد دین کا سلسلہ جاری فرمایا اور آخری زمانہ میں پیدا ہونے والے ایک عظیم الشان مجدد اور مصلح کے آنے کی خوشخبری دی جسے خود اللہ تعالیٰ امام بنائے گا اور وہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کے تابع اسلام کے بارہ میں پیدا ہونے والے اختلافات کا فیصلہ کر کے تعلیم قرآن کی معنوی حفاظت کریگا۔

ایک اور امتیاز۔ کتاب کے محفوظ ہونے کا دعویٰ

قرآن کریم کے بارہ میں کتاب محفوظ ہونے کا دعویٰ بھی اسلام کی ایک امتیازی شان ہے۔ اسلام کے سوا ہمیں کوئی ایسا مذہب نظر نہیں آتا جس کی مذہبی کتب نے اپنی حفاظت کا دعویٰ کیا ہو یا عملاً وہ اسی طرح محفوظ ہوں جس طرح وہ نازل ہوئی تھیں۔ یہاں یہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے اس دعوے کے حق میں کوئی قطعی تائیدی شہادت بھی ملتی ہے یا یہ محض ایک دعویٰ ہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بکثرت ایسے غیر مسلم محققین موجود ہیں جن کی انتہائی کوشش اور جستجو کے باوجود وہ یہ دکھانے سے عاجز آگئے کہ قرآن کریم میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد کسی قسم کی کوئی تبدیلی کی گئی ہو اور بہت سے غیر مسلم محققین کھلے لفظوں میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ ایک غیر متبدل اور محفوظ کتاب ہے۔ چنانچہ سر ولیم میور اپنی کتاب ''لائف آف محمد'' میں لکھتے ہیں:۔

ترجمہ: ''ہم نہایت مضبوط قیاسات پر کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک آیت جو قرآن میں ہے وہ اصل ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر محرف تصنیف ہے۔''

پھر مزید لکھتے ہیں:۔

''اس کے علاوہ ہمارے پاس ہر ایک قسم کی ضمانت موجود ہے۔ اندرونی شہادت کی بھی اور بیرونی کی بھی کہ یہ کتاب جو ہمارے پاس ہے یہ وہی ہے جو خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی اور اسے استعمال کیا کرتے تھے۔''

ایک اور غیر مسلم محقق نولڈ کا قول ہے:۔

''ترجمہ: ممکن ہے کہ تحریر کی کوئی معمولی غلطیاں (طرز تحریر کی) ہوں تو ہوں لیکن جو قرآن عثمانؓ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اس کا مضمون وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیش کیا تھا گو اس کی ترتیب عجیب ہے۔''

اسلام کا منفرد دعویٰ۔ ہر زمانہ کے لئے کامل ہدایت:

جہاں تک اسلام کے اس منفرد اور امتیازی دعوے کا تعلق ہے کہ قرآنی تعلیم کامل ہے اور اس لائق ہے کہ ہر زمانہ کے انسان کے لئے ہدایت بن سکے۔ اسلام کا یہ دعویٰ بھی بلادلیل نہیں اور اس کی تعلیم قطعی اندرونی شہاتیں اس امر کی رکھتی ہے کہ یہ کامل بھی ہے اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضے پورے کرنے کی اہلیت بھی رکھتی ہے۔

یہ تو ممکن نہیں کہ اس مختصر وقت میں اسلامی تعلیم کے تمام پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاسکے، بعض اصولی پہلوؤں کی نشان دہی اور چند وضاحتی مثالوں پر اہی اکتفا کروں گا۔

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام اس کوشش میں کس طرح کامیاب ہوتا ہے کہ گزرتے ہوئے زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے باوجود اس کی تعلیم میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اس پہلو سے اسلام کی حکمتِ عملی کا مطالعہ ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے۔ جس کے چند پہلو بطور نمونہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

1۔ اصولی تعلیم کا بیان اور ایسی تفصیلات سے گریز جو وقت اور حالت کے بدلنے کے ساتھ تبدیلی کا محتاج ہوں۔

2۔ انسان کے ذہنی، تمدنی اور سیاسی ارتقاء پر نظر ڈالتے ہوئے ایسی تعلیم دینا جو ہر امکانی صورت حال کو پیش نظر رکھے اور اس ٹھوس مشاہدہ پر مبنی ہو کہ کبھی کسی زمانہ میں بھی مختلف قومیں ترقی کے لحاظ سے ایک مقام پر کھڑی نہیں ہوتیں بلکہ ہر زمانہ میں متعدد ایسی قومیں ملتی ہیں جو اپنی نشو نما اور ترقی کے اعتبار سے بعض دوسرے زمانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً آج بھی یہ ممکن ہے کہ اس دنیا میں پتھر کے زمانے کے انسان بھی موجود ہوں۔ یا ہزار برس پہلے کے زمانہ سے تعلق رکھنے والے گروہ یا قومیں موجود ہوں جو شعور اور تمدن اور سیاست اور ارتقاء کے اعتبار سے بظاہر اس زمانہ میں ہوتے ہوئے بھی دراصل گزشتہ زمانوں کے لوگ ہوں۔ مثلاً آسٹریلیا کے قدیم باشندے یا کانگو کے پگمیز ہیں جن پر اس زمانے کے جدید سیاسی نظریات کو ٹھونسنا محض حماقت ہوگی۔

3۔ ایسی تقسیم جو انسانی فطرت کے سب امکانی تقاضوں کو ملحوظ رکھے اور اس وقت تک غیر مبدل رہے جب تک انسانی فطرت میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

اسلام کے اسلوب تعلیم کی یہ چند شکلیں بطور مثال پیش کی گئی ہیں۔ اب مَیں ان پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہوں تا کہ میرا مافی الضمیر بغیر کسی ابہام کے سمجھ آسکے۔

اسلام کے مالی نظام کا بنیادی اصول یعنی زکوٰۃ:

اسلام سُود کی ہر حالت میں مذمّت کرتا ہے اور دنیا بھر سے سودی نظام کی مکمل بیخ کنی کی بشدت تلقین کرتا ہے۔ اور اقتصادی پہیہ کو چلانے کے لئے سُود کی بجائے زکوٰہ کو قوت محرّکہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ وقت اور موقع کی مناسبت سے اس تفصیلی بحث کی تو یہاں گنجائش نہیں کہ سودی نظام کے مقابل پر زکوٰۃ کے نظام کو کیا کیا فوقیت حاصل ہے لیکن صرف اس پہلو سے میں یہاں کچھ گفتگو کروں گا۔ کہ اس تعلیم کو زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے قرآن کریم کیا طریق اختیار کرتا ہے۔

زکوٰۃ سرمایہ پر ایک ٹیکس کا نظام ہے جو امراء سے وصول کیا جاتا ہے اور ریاست کی ضروریات کو اس ٹیکس سے پورا کرنے کے علاوہ اس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ غرباء کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔ غرضیکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جو حکومت کی ضرورتوں کے علاوہ سوشل ویلفیئر کے تقاضے پورے کرنے کا ضامن ہے۔ اگر قرآن کریم انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا کلام ہوتا تو ضرور اس زمانہ کے عرب کے حالات مدنظر رکھ کر اس ٹیکس کی کوئی شرح معیّن کر دیتا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بیسیوں مرتبہ زکوٰۃ دینے کے مؤکد احکامات کے باوجود ایک جگہ بھی قرآن کریم میں زکوٰۃ کی شرح معین نہیں کی گئی لیکن اس کے باوجود ایسی اصولی رہنمائی کر دی گئی ہے جس کے پیش نظر ہر ملک اور زمانے کے حالات کے مطابق دینی امور میں تفقہ کرنے والے معین فیصلہ کر سکیں چنانچہ فرمایا:۔

وَ فِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ (الذّٰریات :20)

کہ جن لوگوں کے پاس بنیادی ضرورت سے زائد ہے اُن کے مال میں اُن لوگوں کا حق ہے جو بصورت سائل یا محروم سوسائٹی میں اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہو رہیں۔ اب اس اصول کی روشنی میں ہر زمانہ، ملک، قوم اور معاشرہ میں انسان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا اس کا کم از کم حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس بنیادی

حق کی ادائیگی کا ذمہ دار ان لوگوں کو ٹھہرایا ہے جن کے پاس بنیادی ضرورت سے زیادہ ہے۔اور اس کا انتظام حکومت کے ذمہ ہے کہ وہ ادائیگی حقوق کا عادلانہ نظام اس اصول کی روشنی میں قائم کرے۔

نظام حکومت کے متعلق پُر حکمت تعلیم

آج کے زمانہ کا دوسرا بین الاقوامی مسئلہ ''نظام حکومت'' کی تعیین ہے کہ کہاں کونسا نظام رائج ہو؟۔اس سلسلہ میں بھی اسلام کے رہنما اصولوں کو لیں تو وہ ایسے لچکدار لیکن ٹھوس اور پختہ اصول ہیں کہ اپنی سچائی اور عظمت کی آپ دلیل ہیں۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ مختلف نظام حکومت اپنے مخصوص حالات اور تقاضوں کے پیش نظر موزوں یا غیر موزوں قرار دیئے جاتے ہیں۔اور ہر زمانہ میں ہر قوم اور ہر خطہ کے بسنے والوں کے لئے ایک ہی سیاسی نظام مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔اس لئے اسلام کوئی ایک نظام حکومت معین نہیں کرتا۔وہ نہ ڈیما کریسی یا سوشلزم کو بطور نظام حکومت کے پیش کرتا ہے اور نہ بادشاہت ڈکٹیٹر شپ یا فاشسٹ حکومت کی طرف رہنمائی کرتا ہے بلکہ وہ حکومت بنانے سے بڑھ کر حکومت چلانے کے رہنما اصول بیان کرتے ہوئے یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ حکومت خواہ کسی ڈھب کی ہو حکومت کی ذمہ داریاں لازماً انصاف عدل اور انسانی ہمدردی اور بنیادی حقوق کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ادا کی جائیں گی۔

اب ظاہر ہے یہ تعلیم عین انسانی فطرت اور مزاج کے مطابق ہے۔چنانچہ بہت سے پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک آج بھی بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں جو اپنے جداگانہ مزاج کے باعث برٹس ڈیما کریسی کو رائج نہیں کرسکتے۔یہی نہیں بلکہ خود مغربی ممالک میں ایسے ممالک کا فقدان نہیں جہاں ڈیما کریسی کا تجربہ ناکام رہا ہے یا اگر ڈیما کریسی ہے تو محض نام کی ہے اور عملاً ڈیما کریسی کے نام پر ایک منظّم اور طاقتور اقلیت حکومتوں پر قابض ہے۔پس اسلام ڈیما کریسی کی تعریف کے پہلے جزہ by the people کے کھوکھلے نعرے

پر اس قدر زور نہیں دیتا جتنا اس امر پر زور دیتا ہے کہ حکومت جس طرز کی بھی ہو لازماً اُسے for the people ہونا چاہیے چنانچہ جہاں جمہوریت کا ذکر کرتا ہے وہاں بھی زور اس امر پر ہے کہ فرضی جمہوریت نہ ہو بلکہ عوام میں اس بات کی صلاحیت ہو اور وہ اس صلاحیت کو پوری دیانتداری سے بروئے کار لائیں کہ حکومت کا انتخاب کرتے وقت صرف اہل لوگوں کو منتخب کریں۔ چنانچہ انتخابی عمل کو اس شرط کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ(النساء: 59)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جب تم اپنے حاکموں کا انتخاب کرو تو ووٹ صرف اہلیت کو مدنظر رکھ کر دو۔ اور جو بھی حکومت اس کے نتیجہ میں قائم ہو اس کو پابند کرتا ہے کہ بلاتمیز رنگ و نسل، مذہب وملت، وہ حکومت کے کاموں کو انصاف کے ساتھ چلائے۔ اگر اس تعلیم کو نظر انداز کر دیا جائے تو بسا اوقات آپ کو یہ صورت حال بھی دکھائی دے کہ جمہوریت کے نام پر قائم ہونے والی بہت سی حکومتیں بادشاہتوں اور آمریتوں سے بھی بڑھ کر حقوق انسانی کو پامال کرنے والی ہوتی ہے۔

پس کوئی بھی نظام ہو اور جو بھی حاکم ہو خواہ بادشاہ ہو یا ڈکٹیٹر یا جمہوری حکومت کی صورت میں بعض افراد کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہو اگر وہ کوئی آئین دنیا میں نافذ کرتے ہیں جو قرآنی ہدایات سے مطابقت رکھتا ہے اور اس میں احساس ذمہ داری پایا جاتا ہے اور انسان کے بنیادی حقوق ادا کرنے کی ضمانت دیتا ہے تو لازماً اس کے نتیجہ میں ایک مثالی اور نافع الناس حکومت قائم ہوگی۔

نظام حکومت کے بنیادی اصول

اب میں خلاصۃً وہ اصول بیان کرتا ہوں جو قرآن شریف سے کسی بھی نظام حکومت کے لئے بطور بنیادی اصولوں کے مستنبط ہوتے ہیں۔

1۔ ہر نظام حکومت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کی عزت اور جان و مال کی حفاظت کرے۔(النساء:59)

2۔ ہر حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ افراد اور اقوام کے درمیان عدل کرے۔ (النساء:59)

3۔قومی معاملات مشاورت سے طے ہوں۔(وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ)

4۔حکومت ہر ایک شخص کے لئے کم از کم ضرورت یعنی خوراک لباس اور مکان مہیا کرنے کی ذمہ دار ہو۔(اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی۔وَ اَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی)

5۔حکومت لوگوں کے لئے ہر قسم کا امن مہیا کرے اور ہر شخص کی جان مال اور عزت کی حفاظت کا انتظام کرے۔(البقرۃ: 206)

6۔اقتصادی حالات درست کرے۔(البقرۃ:206)

7۔عوام کی صحت کا خیال رکھے۔(البقرۃ:206)

8۔ملک میں مذہبی آزادی قائم کی جائے۔(البقرۃ:257)

9۔مفتوح قوم کے ساتھ عدل کا سلوک کیا جائے۔(المائدۃ:9)

10۔جنگی قیدیوں کو خاص طور پر مراعات دی جائیں۔ (الانفال:68، محمد:5)

11۔معاہدات کی پابندی کی جائے۔(الانفال:59)

12۔معاہد قوم کو کمزور یا مجبور پا کر معاہدات ختم نہ کئے جائیں۔ (الانفال:59)

13۔مسلمان رعایا کا فرض ہے کہ جو نظام حکومت بھی قائم ہو جب تک وہ اسلامی تعلیم کی واضح مخالفت نہ کرے یا اس میں روک نہ ڈالے۔ اس کی اطاعت کرے۔ (النساء:60)

14۔اگر امراء سے کبھی اختلاف ہو جائے تو ان اختلافات کو اصول کے مطابق

طے کیا جائے جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کئے ہیں۔اور ذاتی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔(النساء:60)

15۔خیر و بھلائی اور فلاح و بہبود کے کاموں میں عوام کہ حکومت سے تعاون کا حکم ہے اور عدم تعاون کی تحریکوں کی ممانعت ہے۔اسی طرح حکومت پابند ہے کہ وہ فلاح و بہبود کے کاموں میں خواہ وہ انفرادی شکل میں ہوں یا گروہوں کی شکل میں روک نہ ڈالے بلکہ حتی الامکان تعاون کرے۔ (المائدۃ:3)

16۔ایک طاقتور اور مضبوط حکومت کو یہ ہدایت ہے کہ وہ دوسرے ممالک پر طمع کی نظر نہ رکھے۔اور صرف دفاعی جنگ کرنے کی اجازت ہے۔(طٰہٰ:132)

اب اسلام کی یہ تعلیم کیسی جامع اور ہر پہلو سے مکمل تعلیم ہے۔اگر اسلام کسی ایک نظام کے رائج کرنے کا حکم دیتا تو یہ اعتراض پڑسکتا تھا کہ جہاں یہ نظام ممکن ہی نہیں وہاں کیسے رائج کیا جائے۔کیونکہ مختلف قوموں اور ملکوں میں معاشی و معاشرتی ارتقاء کی رفتار کے مطابق آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی مختلف قومیں اور تہذیبیں آباد ہیں۔اور آج کا انسان بظاہر ایک زمانہ میں رہتے ہوئے عملاً مختلف زمانوں میں بس رہا ہے۔کیا افریقہ کی بعض غیر متمدن قومیں آسٹریلیا کے pigmy اور انگلستان یا امریکہ کے باشندے علمی و ذہنی اور معاشی و معاشرتی لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں؟ اور کیا ایک ہی نظام حکومت ان کو مطمئن کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ یہ خلاف عقل اور خلاف فطرت بات ہوگی اور اسلامی قانون تو عین فطرت کے مطابق ہے اور انسانی فطرت کی ہر شاخ کی پرورش کرتا ہے۔اس لئے اسلام نے ہر چیز کے بارہ میں ایسی کامل تعلیم دی ہے جو زمان و مکان کی نسبتوں سے بالا ہے۔جیسا کہ نظام حکومت کے بارہ میں اسلامی تعلیم سے ظاہر ہے۔

اٹل اور غیر مبدّل تعلیمات

اسلامی مذہب کے کامل اور دائمی ہونے کے سلسلہ میں قرآن شریف سے دوسری

قسم کی مثالیں ایسی تعلیمات کی بھی ملتی ہیں جو اٹل ہیں اور حالات اور زمانہ جن کو بدل نہیں سکتے۔اور جتنا مرضی کوئی زور لگالے وہ تعلیمات غیر مبدل ہی رہیں گی۔اس سلسلہ میں بھی ہیں ایسی اہم مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔جن کی آج دنیا کو بہت ضرورت ہے۔

(1) پہلی مثال اسلام کی تعلیم عدل وانصاف کے بارہ میں ہے لیکن اس کی حقیقت اور اس کی عظمت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہوگا کہ کسی قدر دوسرے مذاہب کی تعلیم عدل وانصاف کا ذکر کیا جائے تاکہ تمدنی ترقی کے تاریخی عمل میں اسلام کی انصاف کی تعلیم کا صحیح مقام متعین کیا جاسکے۔

جب ہم بعض دوسرے مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں تو اول تو عدل وانصاف پر مشتمل کوئی تفصیلی تعلیم نظر ہی نہیں آتی اور اگر ملتی بھی ہے تو وہ ایسی نہیں جس کا آج کے زمانہ کے انسان پر اطلاق ہو سکے بلکہ اس کے بعض حصے تو آج کے انسان کی فہم، طرز فکر اور احساسات سے شدید طور پر متصادم دکھائی دیتے ہیں اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یا تو یہ تعلیم امتدادِ زمانہ سے بگڑ چکی ہے یا پھر اس زمانہ کے مخصوص حالات کے پیش نظر مجبوراً ایک محدود علاقے اور محدود وقت کے لئے دی گئی ہونگی ورنہ انسانی ضمیر انہیں ایک عمومی تعلیم کے طور پر کبھی قبول نہیں کرسکتا مثلاً یہودیت کہتی ہے کہ یعقوب کی اولاد ہی خدا کو پیاری ہے۔باقی سب اس کی غلامی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔اب اگر اس مذہب کی حکومت ہو تو یقیناً اس تعلیم کے نتیجہ میں ظلم ہی پیدا ہوگا۔(احبار باب 25 آیت 46-45)

پھر یہودیت صدقہ وخیرات کے بارہ میں کہتی ہے کہ صدقہ وخیرات صرف اپنے ہی ہم قوموں کے لئے ہیں۔اب اگر کوئی یہودی بادشاہ ہو تو اس تعلیم کے ماتحت سارے ٹیکس یہود کو ہی ملیں گے۔غیر یہودی کا کوئی حق نہیں۔

اسی طرح ہندو مذہب میں بھی عدل وانصاف کا جو محدود تصور ملتا ہے کسی قدیم زمانہ میں تو وقتی مصالح کے پیش نظر اس کا اطلاق شائد جائز قرار دیا جاسکتے مگر ایک عمومی اور دائمی

تعلیم کے طور پر انسان اسے کبھی قبول نہیں کرسکتا۔مثلاً یہ حکم ہے کہ’’ اگر برہمن نے ایک پنچ سے قرض لیا ہو لیکن وہ ادا نہیں کرسکتا تو شودر کا فرض ہے کہ وہ برہمن سے کوئی روپیہ نہ لے لیکن اگر شودر نے برہمن کا روپیہ دینا ہو اور شودر غریب ہو تو اونچی ذات والوں کی مزدوری کرے برہمن کے قرض کو ادا کرے گا۔(منوادھیائے۔10 شلوک 35)

پھر یہودیت میں بھی دشمنوں کے ساتھ تو انصاف کا کوئی تصور نظر ہی نہیں آتا... بلکہ لکھا ہے:۔

’’جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو انہیں ماریو۔نہ تو ان سے کوئی عہد کیجیو اور نہ ان پر رحم کیجیو۔‘‘(استثناء:7\2)

اس کے مقابل پر اسلام کی عدل وانصاف کی تعلیم کے چند نمونے اب ہم پیش کرتے ہیں جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔قرآن کریم یہ ہدایت دیتا ہے کہ:۔

1۔اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو(وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاس......النساء:59)

2۔تمہاری ہر ایک گواہی خدا کی رضا اور انصاف کے قیام کے لئے ہو خواہ تمہاری گواہی سے خود تمہیں یا تمہارے والدین اور قریبی رشتہ داروں کو نقصان پہنچتا ہو۔ (النساء: 136)

3۔اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔تم انصاف کو ہر حال میں قائم کرو۔کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔(المائدۃ:9)

4۔اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف ان سے جنگ کر جنہوں نے تمہارے خلاف جنگ کی ہو اور اس معاملے میں کسی قسم کی زیادتی نہ کرو۔(البقرۃ:191)

5۔دوران جنگ میں بھی اگر دشمن صلح پر آمادہ ہو جائے تو اس کی یہ پیش کش ٹھکرائی نہ جائے۔(الانفال:62)

(ب)۔اسلام کی غیر مبدل تعلیم کی دوسری مثال عفو وانتقام کے بارہ میں دوں گا جو گردش زمانہ کے باوجود اٹل اور فیصلہ کن تعلیم ہے اور جس سے بہتر تعلیم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔اس پہلو سے جب ہم اسلام کا دوسرے مذاہب سے موازنہ کرتے ہیں تو بائبل کا یہ حکم آج کل انسان کے کانوں کو عجیب لگتا ہے کہ:۔

''اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان آنکھ کا بدلہ آنکھ دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا۔''(استثنا 21\19)

انتقام پر اتنا زور دیکھ کر آج کا انسان تعجب کرتا ہے اور تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن میں اس تعلیم پر کسی تنقید کے نقطۂ نظر سے یہ نمونہ پیش نہیں کر رہا بلکہ یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ قرآنی تعلیم کی روشنی میں اس بظاہر نہایت جابرانہ تعلیم کے جواز میں بھی ایک دلیل میسر آجاتی ہے۔یہ بھی اسلامی تعلیم کا ایک امتیازی حُسن ہے کہ جن مذاہب سے تعلیم کا ٹکراؤ بھی ہے ان کی بھی مذمت کرنے کی بجائے ان کی تعلیم کو سمجھنے کے لئے نہایت حکیمانہ اصول پیش فرماتا ہے۔چنانچہ قرآن کی رو سے یہ لازماً انتقام لینے کی تعلیم ایک مخصوص دَور کے وقتی تقاضوں کے عین مطابق تھی اور اس زمانہ کے یہودی ایک مدت تک محکومیت ومظلومیت میں رہنے کی وجہ سے نہایت بزدل ہوچکے تھے اور اپنے جائز حقوق کی حفاظت کے اہل نہیں رہے تھے۔اور ساری قوم احساس کمتری کا شکار ہوچکی تھی۔(البقرۃ:50)

پس ان کے ابھارنے کے لئے اور ان کے حوصلے بڑھانے کے لئے اس آیت پر زور دینے کی اشد ضرورت تھی کہ تم بدلہ ضرور لو اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت توڑا جائے۔اگر بدلہ لینے پر اس قدر شدت اختیار کرنے کی بجائے انہیں معاف کرنے کی تلقین زیادہ شدت سے کی جاتی تو ایک مقہور اور مظلوم قوم جو پہلے ہی بدلہ لینے سے ڈرتی رہی ہو وہ تو فوراً اپنی بزدلی کو معافی کی چادر میں ڈھانپ لے گی اور مردانہ صفات سے اس طرح جاری رہے گی جس طرح پہلے تھی۔پس قرآن کے نزدیک یہ سخت متشددانہ تعلیم بھی اس وقت

کے سیاق وسباق میں نہایت حکیمانہ بلکہ لابدی تھی اور یقیناً ایک حکیم وعلیم خدا کی طرف سے تھی۔اب اس کے برعکس ہم عہدنامہ جدید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ عہدنامہ قدیم کے برعکس بدلہ کی بجائے عفو پر اتنا غلو کیا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل کو بدلہ لینے کے بنیادی حق سے ہی محروم کیا جارہا ہے دراصل بات یہ تھی کہ جب ایک زمانہ گزر گیا اور نسلاً بعد نسل بنی اسرائیل نے اس قاعدہ پر عمل کیا تو ان کے اندر ایک قسم کی خونخواری او رسخت دلی پیدا ہوگئی۔ (البقرۃ: 75)

اب اس کے سوا ان کا علاج نہ تھا کہ ایک تاریخی عہد تک ان سے بدلہ کا چھین لیا جائے۔چنانچہ مسیح کے ذریعہ بنی اسرائیل کو یہ تعلیم دی گئی:

''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے ہاتھ پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کر کے تیری قبا لے، کرتے کو بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لئے جاوے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا... اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو جو تم سے کینہ رکھیں ان کا بھلا چاہو اور جو تمہیں دکھ دیں اور ستائیں ان کے لئے دعا مانگو''۔(متی 5:35 تا 45)

پس اسلام عیسائیت پر بھی تنقید نہیں کرتا اور دونوں تعلیموں کے حالات کے ساتھ مطابقت اس طرح کرتا ہے کہ پہلی تعلیم اپنے وقت کی ایک بزدل قوم کے واسطے تھی تو دوسری ایک سفاک قوم کے لئے۔یہ وہ زمانہ تھا کہ انسان ابھی اپنی تادیب اور تربیت کے ابتدائی مراحل میں سے گزر رہا تھا اور بلوغت کو نہیں پہنچا تھا اس لئے ان کی تعلیم بالغ نظر انسان کے لئے قابل عمل نہیں ہوسکتی اور نہ ایسی تعلیم سے آج دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے اور نہ بنی نوع انسان کی اصلاح ممکن ہے۔اس لئے اسلام نے جب ایک بالغ نظر ترقی یافتہ انسان کو مخاطت کیا تو ایسی تعلیم دی جو عارضی اور وقتی تقاضوں سے پاک ہے فرماتا ہے:۔

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ(الشوریٰ:41)

قرآن شریف ایک طرف موسوی شریعت کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے کہ بدکار کو اسکی بدی کے اندازہ کے مطابق سزا دوتو دوسری طرف مسیحی تعلیم کو بھی قبول کرتا ہے کہ تو بدی کے بدلہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ نیک سلوک کر اوران دونوں تعلیموں سے زائد بات یہ بیان فرماتا ہے کہ عفو کی اجازت ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ معافی کے نتیجہ میں اصلاح ہو۔ اگر معافی کے نتیجہ میں یہ خطرہ لاحق ہو کہ مجرم اصلاح کی بجائے جرم اور ظلم پر بھی دلیر ہو جائے گا تو اس صورت میں معافی کی اجازت نہیں۔

غرض دونوں سلوکوں میں سے جو سلوک بھی موقعہ اور محل کے مناسب حال ہو اختیار کیا جائے۔ اس تعلیم کی بنیاد فطرت انسانی ہی ہے اور فطرت انسانی کی طرح غیر مبدل ہے اور زمانہ کی دستبرد سے بالا ہے اور آج بھی اسی طرح قابل عمل ہے جیسے 400 برس پہلے تھی۔ یہ ایک سادہ سی عام فہم تعلیم ہے لیکن سہل و ممتنع کی ایک عجیب مثال ہے۔ جہاں تک میں نے نظر دوڑائی مجھے کسی مذہب کی کتاب مقدس میں ایسی تعلیم دکھائی نہیں دی۔

اسلام کی بعض دیگر امتیازی خصوصیات

سامعین کرام! اسلام کے نمایاں (ایدزات؟) کا مضمون تو بہت وسیع ہے۔ یہ چند وہ اہم نکات تھے جو اس وقت تفصیل سے بیان کرنا میں ضروری سمجھتا تھا۔ باقی خصوصیات کی طرف وقت کی مناسبت سے صرف اشارے ہی کیے جا سکتے ہیں۔

(1) اسلام کا ایک امتیازی کمال مذہب کے بنیادی تصور کے بارہ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی خالقیت کو تسلیم کر کے دوسرے مذاہب کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی توحید کو ایسی قابل سمجھ صورت میں پیش کرتا ہے جسے ایک بدوی اور ایک عالم وفلاسفر برابر سمجھ سکتے ہیں جو اس کی ذات وصفات کی عظمت دلوں میں قائم کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ سب خوبیوں کا جامع

اور سب غیبوں سے پاک ہے اور یہ واحد اور قادر مطلق زندہ خدا ہر زمانہ میں اپنی قدرتیں دکھاتا اور اپنے پیارے بندوں سے محبت کا سلوک فرماتا ان کی دعاؤں کو سنتا اور ان سے کلام کرتا ہے۔ پس یہ اسلام کا امتیاز ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید کو زمان و مکان پر برابر حاوی بتلاتا ہے اور ذات وصفات دونوں میں اسے واحد دکھلاتا ہے اور کسی زمانہ میں بھی اس کی صفت کو معطل نہیں بتاتا اور ہر زمانہ کے بندوں کے لئے وصل اور مکالمہ مخاطبہ کی راہ کھلی ہونے کا اعلان عام کرتا ہے۔

(2) اسلام کی تعلیم کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے اس کی رُو سے خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کے کام یعنی اس کے قول وفعل میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں اور اس طرح اسلام انسان کو مذہب اور سائنس کے جھگڑوں سے آزاد کر دیتا ہے کیونکہ وہ بعض دوسرے مذاہب کی طرح قوانین قدرت کو نظر انداز کر کے اس کے خلاف باتوں پر یقین رکھنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ قانون قدرت پر غور کر کے ان سے فائدہ اٹھنے کی تعلیم دیتا ہے۔

(3) اسلام کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی تعلیم محض دعووں اور تحکم سے نہیں منواتا بلکہ ہر امر کے لئے عقلی دلیل دیتا ہے اور ایسے زبردست دلائل سے ایمانیات کے مسائل ثابت کرتا ہے کہ عقل انسانی مذہبی تعلیم کے ساتھ اس یقینی علم کو پا کر مطمئن ہو جاتی ہے۔

(4) اسلام کی بنیاد صرف قصوں پر نہیں بلکہ وہ ہر شخص کو تجربہ کی دعوت دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ہر سچائی کسی نہ کسی رنگ میں دنیا میں پرکھی جا سکتی ہے۔

(5) اسلام کی الہامی کتاب بے نظیر اور بے مثال کتاب ہے جو اسے سب مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ آج تک قرآن شریف کے واشگاف اعلان اور دعویٰ کے باوجود اسلام کے سب دشمن مل کر بھی اس کے کسی ایک جز کی مثل بنانے پر بھی قادر نہیں ہو سکے اور قرآن کی یہ بے نظیری صرف اس کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ اس کی جامعیت اور

اعلیٰ تعلیمات کے لحاظ سے بھی ہے اور اگر کسی کو شبہ ہے تو آج بھی قرآن شریف کا یہ چیلنج اسے دعوت فکر دیتا ہے کہ قرآنی تعلیم کی مانند یا اس سے بہتر کوئی تعلیم پیش کرے۔ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ ایسا نہ کوئی کر سکا نہ کر سکے گا کسی بھی دوسری مذہبی کتاب میں اپنے بارہ میں نہ یہ دعویٰ ہے نہ اس نوع کا کوئی چیلنج موجود ہے۔

(6) قرآن شریف کا ایک اور امتیازی کمال یہ ہے کہ وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ قرآنی تعلیم گزشتہ مذاہب سے کلیتہً کٹی ہوئی اور جدا نہیں بلکہ صحف سابقہ کی ہر قابل ذکر اور باقی رکھنے کے لائق صداقت اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہے چنانچہ فرمایا۔

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البينة:3)

پھر فرمایا:۔

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰی (الاعلی:19۔20)

(7) اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جو الہامی کتاب اس مذہب کو پیش کرتی ہے اس کی زبان (عربی) زندہ ہے اور زبان کی زندگی کتاب کی زندگی پر دلالت کرتی ہے۔ پس باقی ماندہ تمام الہامی زبانوں کا مردہ ہو جانا اور قرآن کی زبان کا زندہ رہنا اس کی عظیم الشان خصوصیت ہے۔

(8) اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی نہ صرف تعلیمات اعلیٰ و جامع ہیں بلکہ اس کا رسول انسانی زندگی کے ہر قسم کے دور سے گزرا اور یتیمی سے لے کر شہنشاہی تک اس کی تاریخی زندگی ہر قدم اور ہر موڑ پر درخشندہ مثالیں قائم کرتی چلی جاتی ہے۔ ایسا کامل اور قابل اتباع نمونہ جو اپنی وسعت اور تنوع میں ہمہ گیر ہو صرف اسلام کا رسول ہی پیش کرتا ہے۔ جس کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ مخفی نہیں بلکہ تمام تفصیلات محفوظ ہیں اور ایک کامل نمونہ کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا اس کے مقابل پر باقی انبیاءؑ کو انسانی زندگی اور مسائل کے ایسے وسیع تجارب حاصل ہوئے نہ ہی ان کی سوانح

حیات مکمل طور پر محفوظ ہیں اور زندگی کا اکثر حصہ نظروں سے اوجھل ہے۔

(9) اسلام کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں بے شمار پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں جو ہر زمانہ میں پوری ہوکر لوگوں کو اسلام کی سچائی اور زندہ خدا کی ہستی پر یقین پیدا کرتی رہی ہیں اور کرتی رہیں گی۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں جس میں کوئی نہ کوئی پیشگوئی پوری نہ ہوئی ہو۔ اور یہ زمانہ تو اس بارہ میں اپنی مثال آپ ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ کے زمانہ کے فرعون کی لاش کا دستیاب ہونا یا ایسے عذاب کی خبر جس میں ذرّوں میں بند آگ انسان کو ہلاک کرنے کے لئے تیار کی جائے گی جو پھٹنے سے پہلے کھینچ کر لمبے اور عمودی ہوجائیں گے۔

(10) اسلام کا یہ بھی ایک نمایاں امتیاز ہے کہ جب حیات بعد الموت کی خبریں دیتا ہے تو ساتھ ہی اس دنیا سے تعلق رکھنے والی بعض پیشگوئیاں بھی کرتا ہے جو پوری ہو کر حیات آخرت والی پیش خبریوں پر بھی یقین پیدا کر دیتی ہیں۔

(11) اسلام عدل وانصاف کی انفرادی، قومی اور بین الاقوامی تعلیم دینے کے لحاظ سے تمام دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے۔ یہ تعلیم ایسی جامع ہے کہ تعلقات کے ہر امکانی دائرہ پر حاوی ہے۔ بڑوں چھوٹوں۔ آجر اور مزدور۔ دوس اور دشمن۔ افراد اور قوموں کے حقوق اور فرائض پر حیرت انگیز رہنمائی کرتی ہے جو دائمی غیر مبدّل اصولوں پر مبنی ہے۔

(12) اسلام انسان، انسان کے درمیان مساوات کا علمبردار ہے۔ اس میں ذات پات۔ نسل اور قوم کو کوئی تمیز نہیں ہے بلکہ سب انسانوں کو بلحاظ انسانیت یکساں قرار دیتا ہے۔ پھر اسلام عزت اور اکرام کے ماپنے کا ایک نیا پیمانہ پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:14)

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍاَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ

فَاُولٰٓئِکَ یَدْ خُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (المومن :41)

(13) اسلام گناہ اور نیکی کی ایسی تعریف کرتا ہے جو اسے دیگر تمام مذاہب سے

ممتاز کرتی ہے۔انسان کی فطرت خواہشات کو ہی بدی قرار نہیں دیتا بلکہ ان کے بے محل استعمال کا نام بدی رکھتا ہے اور تمام طبعی تقاضوں کی تعدیل اور تربیت کرتے ہوئے ان کی مناسب نشو نما کی تعلیم دیتا ہے۔

(14) اسلام ایک منفرد مذہب ہے جس نے ورثہ میں ہی عورت کے حقوق کو قائم نہیں کیا بلکہ مرد اور عورت کے درمیان مساوات کا قیام کرنے کے باوجود مساوات پر ایسا غلط زور نہیں دیا کہ جو مرد اور عورت کے تخلیقی فرق کو نظر انداز کر دے۔

آخر پر میں ان تمام افراد اور قوموں کو جو امن کے خواہاں ہیں یہ عظیم خوش خبری دیتا ہوں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو آج انفرادی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی، قومی، بین الاقوامی امن کی ضمانت دیتا ہے اس کی امن کی تعلیم ان شعبہ ہائے زندگی پر حاوی ہے۔اسلام ہی وہ منفرد مذہب ہے جس کا نام امن ہے اور جس سے منسلک ہونے والا مسلم کہلاتا ہے۔یعنی خود امن میں آنے والا، غیروں کو امن دینے والا اور ہر اس فعل سے پرہیز کرنے والا جو فساد پیدا کرنے والا ہو۔اسلام کا رسول بھی اول المسلمین کہلایا یعنی سب امن کا پیام دینے والوں کا سردار۔آپ نے فرمایا مسلم وہی ہے جس کے قول و فعل کے شر سے ہر امن پسند محفوظ رہے''۔

حج الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطاب قیام امن کے موضوع پر ایک لافانی چارٹر ہے جو ہر قوم و نسل اور مذہب و ملت کے لئے آج بھی یکساں واجب العمل ہے۔

اسلام کے مفہوم میں صرف بندے اور بندے کے درمیان امن کا تصور داخل نہیں بلکہ بندے اور خدا کے درمیان بھی امن کا مفہوم شامل ہے چنانچہ اس پہلو سے اسلم وہ کہلائے گا جس سے خدا کی مخلوق اور اس کا قانون امن میں رہیں۔اور جو خدا تعالیٰ سے ایسے تعلقات قائم کرے کہ اس کی سزا اور عقوبت سے امن میں آجائے۔الغرض لفظ مسلم کے اندر امن

وسلامتی کا ایسا وسیع مفہوم ہے جو اس دنیا پر بھی حاوی ہے اور اگلے جہان پر بھی۔انسانوں کے تعلقات پر بھی پھیلا ہوا ہے اور اللہ اور بندہ کے تعلق پر بھی۔اور ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نظام کائنات میں کوئی خلل پیدا نہ کرے اور اللہ کا مطیع بندہ بن کر رہے۔وہ اپنوں کے لئے بھی سراپا امن ہو جائے اور غیروں کے لئے بھی سراپا امن ہو۔

اسلام کی تعلیم اس لائق ہے کہ آج قومیں اس سے استفادہ کریں اور ہولناک تباہی سے بچ جائیں۔یہ اس پہلو سے منفرد ہے کیونکہ کسی دوسرے مذہب میں جب بین الاقوامی تصور ہی موجود نہیں،تو وہ بین الاقوامی تعلیم کیسے پیش کر سکتا ہے۔لیکن ایک الگ اور مستقل مضمون ہے جس کی تفصیل میں اس وقت میں نہیں جا سکتا۔گزشتہ سال زیورک (سوئٹزرلینڈ) میں اپنے ایک لیکچر میں مَیں نے اسلام کی بین الاقوامی تعلیم امن اور عدل و انصاف کے بارہ میں نسبتاً زیادہ تفصیل سے بیان کیا تھا۔یہ مضمون The review of religions Rabwah اور The Isalm Zurch میں شائع ہو چکا ہے۔لیکن اس میں بھی وقت کی مناسبت سے اس حد تک اختصار سے کام لینا پڑا کہ اسے سیر حاصل نہیں کہا جا سکتا۔

اسلام ایک زندہ مذہب ہے

آخر پر میں اسلام کے ایک اور عظیم الشان امتیاز کا ذکر کر کے اپنے خطاب کو ختم کرتا ہوں۔اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور خدا اور بندے کے تعلقات کو آج بھی اسی طرح قائم کرنے کا دعویٰ دار ہے جیسے ازمنہ سابقہ میں خدا اور بندہ کے تعلقات کا ذکر ملتا ہے۔اسلام وحی اور الہام کو ایک قصۂ پارینہ کے طور پر پیش نہیں کرتا بلکہ ہر زمانہ کے انسان کو خوش خبری دیتا ہے کہ جس راستہ پر نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ نے اپنے رب کی لقاء حاصل کی اور جس راہ پر گامزن ہو کر خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا سب پہلوں سے بڑھ کر جلوہ گر ہوا۔آج بھی وہ وصل کی راہیں کھلی ہیں اور اصلاحِ عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو

وصل الٰہی کا متمنی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَایُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا۔ (الکھف :111)

پھر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَااللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْاتَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰمٓ السجدۃ :31)

فی زمانہ قرآن کریم کے دعاوی کا زندہ وتابندہ ثبوت

جماعت احمدیہ کے نزدیک آج قرآن کریم کے ان دعاوی کا زندہ ثبوت بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا وجود ہے۔ جو 1835ء میں India کے ایک گمنام گاؤں قادیان میں پیدا ہوئے اور نیکی اور تقویٰ کی اسلامی تعلیم پر گامزن ہوکر وحی اور الہام سے مشرف کئے گئے اور اسی زندگی میں لقائے باری تعالیٰ کے اعلیٰ مقصد کو پالیا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کے منشاء اور اسی کے امر کے مطابق 1889ء میں جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی اور اسلام کی تبلیغ اور خدمت کرنے والی لاکھوں افراد پر مشتمل ایک فعال جماعت پیچھے چھوڑ کر 1908ء میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کا احیاء اسلام کا مشن نظام خلافت کے ذریعہ جاری ہے۔

اپنے بھیجے جانے کی غرض بیان کرتے ہوئے بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں

’’مجھے بھیجا گیا ہے تا میں ثابت کروں کہ ایک اسلام ہی ہے جو زندہ مذہب ہے اور وہ کرامات مجھے عطا کئے گئے ہیں جس کے مقابل پر تمام غیر مذاہب والے اور ہمارے اندرونی اندھے بھی عاجز ہیں۔ میں ہر یک مخالف کو دکھلا سکتا ہوں کہ قرآن شریف اپنی تعلیموں اور علوم حکمیہ اور اپنے معارف دقیقہ اور بلاغت کاملہ کی رو سے معجزہ ہے۔ موسیٰ کے معجزوں سے بڑھ کر اور عیسیٰ کے معجزات سے صدہا درجہ زیادہ‘‘۔ (انجام آتھم :46)

پھر فرماتے ہیں:۔

''اس تاریکی کے زمانہ کا نور میں ہی ہوں۔ جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ ان گڑھوں اور خندقوں سے بچایا جائے گا جو شیطان نے تاریکی میں چلنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں۔ مجھے اس نے بھیجا ہے کہ تا میں امن اور حلم کے ساتھ دنیا کو سچے خدا کی طرف رہبری کروں اور اسلام میں اخلاقی حالتوں کو دوبارہ قائم کر دوں اور مجھے اس نے حق کے طالبوں کی تسلی پانے کے لئے آسمانی نشان بھی عطا فرمائے ہیں۔(مسیح ہندوستان میں:11)

آخر پر میں اپنے خطاب کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو تمام بنی نوع انسان کو ایک دعوت عام دے رہے ہیں:۔

''وہ آئینہ جس سے اس برتر ہستی کا درشن ہو جاتا ہے خدا کا وہ مکالمہ اور مخاطبہ ہے جس کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں جس کی روح میں سچائی کی تڑپ ہے وہ اُٹھے اور تلاش کرے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر روحوں میں سچی تلاش پیدا ہو اور دلوں میں سچی پیاس لگ جائے تو لوگ اس طریق کو ڈھونڈیں اور اس راہ کی تلاش میں لگیں۔ مگر یہ راہ کس طریق سے کھلے گی اور یہ حجاب کس دوا سے اٹھے گا میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مُدت سے مہر لگا چکی ہیں سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے مہر نہیں۔ بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے اور یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر زبانوں کے بول سکیں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں۔ میں جوان تھا اب بوڑھا ہوا۔ مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے اس کُھلی کُھلی معرفت کا پیالہ پیا ہو''۔(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ص 131،132)

بلاشبہ ہر امن کے متلاشی بے قرار انسان کے لئے آپ کی یہ دعوت مژدۂ جانفزا کی حیثیت رکھتی ہے۔(روزنامہ الفضل 30 جنوری 1984ء صفحہ 1 تا 4 و 31 جنوری 1984ء صفحہ 1 تا 6)